# جاہلی عربی شاعری کے ذریعے غریب القرآن کی توضیح: ایک تقابلی مطالعہ

# Interpretation of Gharīb al- Qur'ān via Pre-Islamic Poetry: A Comparative Study

*حافظ فدا حسین

**ڈاکٹر سعید الرحمٰن

## Abstract

*Al-Qur'ān al-Karīm was revealed in the language of Arabs in vogue at the time of its revelation. It is almost mandatory to know the standard langauge, phrases, proverbs, metaphors, similes of the Arabic langauge for a clear understanding of the Qur'ān. It is why special attention was given to the study of ancient poetic composition of Arabs in this regard in the earlier centuries. So, the Arabs ancient literary endeavors are of much importance with reference to the study of the Qur'ān. In the classical period, most of the Qur'ān's exegests would pay attention to this aspect and would use pre-Islamic poetry in their works for determination/citation of meanings of Gharīb al-Qur'ān especialy. There are various fields of citation from pre-Islamic poetry. This article deals with aforementioned topic illustrating some examples in the light of various fields of citation.*

قرآن حکیم اہل عرب کی اُس مروّجہ عربی زبان میں نازل ہوا جو اہل عرب بولتے تھے۔ اس لیے قرآن مجید کے صحیح فہم کیلئے عربی زبان کے اسالیب، محاورات، تعبیرات، استعارات وکنایات اور حقیقت ومجاز کی معرفت ناگزیر ہے۔ صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب تھے۔اہل زبان ہونے کی بناء پر فطری ذوق اور طبعی مہارت کی وجہ سے مفہومِ قرآنی کو سمجھنا ان کے لیے سہل تر تھا تاہم اگر وہ کسی مقام پر قرآنی آیات کے مصداق ومفہوم میں دشواری محسوس کرتے تو نصِ قرآنی کے مغالیق کی توجیہہ کیلئے شارح قرآن سے براہِ راست استفادہ کرتے۔ نبی کریم ﷺ چونکہ افصح العرب اور قرآن پاک کے صحیح محرمِ راز تھے اس لیے غریب القرآن کی تفسیر وتوضیح فرما دیتے تھے۔ بعد ازاں عجمی اقوام کے ساتھ اختلاط، لسانی تغیّرات اور عربی ذوق کی کمی کی وجہ سے قرآن حکیم کے بہت سے الفاظ غریب اور نامانوس ہوکر رہ گئے اور اس کے استعارات وتغیّرات کے ادبی محاسن پر بھی پردہ پڑنے کا خدشہ پیدا ہوگیا۔ نتیجتاً قرآن حکیم کے غریب، نامانوس اور متعدد معانی ومفاہیم کے حامل الفاظ کے فہم اور ان کی تفسیر وتشریح میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں۔

ان حالات میں مفرداتِ قرآنیہ اور ان کے مدلولات کی تفسیر وتشریح کے حل کیلئے دیگر فہم قرآن کے ذرائع ووسائل کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی لغت جس کا ماخذ جاہلی عربی شاعری ہے کی جانب رجوع کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کیونکہ زمانہ جاہلیت کی عربی شاعری عربوں کا دیوان یعنی انسائیکلوپیڈیا اور قیمتی اثاثہ تھا جس میں قرآن حکیم کے الفاظ اور ان کے معنی ومفہوم کی وضاحت موجود ہے۔

---

*ڈپٹی سیکرٹری ثانوی واعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ ملتان

**چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

جاہلی عربی شاعری سے نہ صرف قرآن حکیم کے نادر، غریب اور مشکل الفاظ کی تحقیق میں مدد ملتی ہے بلکہ اس کے ذریعے قرآن حکیم کی ادبی، معنوی اور نحوی مشکلات کی بھی توضیح ہوجاتی ہے اور قرآن حکیم کے استعارات، کنایات اور اشارات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس کے ادبی محاسن اجاگر ہوتے ہیں، مختلف اسالیبِ کلام کا علم ہوتا ہے اور جس تاریخی پس منظر میں قرآن حکیم کا نزول ہوا اس کی توضیح ہوتی ہے۔عربی جاہلی شاعری سے اہل عرب کی مذہبی رسوم ومعتقدات، سیاسی، معاشرتی اور تمدنی زندگی کے احوال اور اخلاقی حالت اور کیفیت کا نقشہ کافی حد تک واضح ہوجاتا ہے لیکن یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کی جن آیات کا مصداق ومفہوم واضح اورآسان ہو اور ان کے مفہوم میں کسی قسم کا ابہام، اجمال اور اشتباہ نہ ہو اور نہ ہی ان کے فہم کیلئے دیگر متعلقہ علوم کی ضرورت ہو تو ایسی آیات کے مطالب کا ماخذ لغتِ عرب ہوگی۔ جن آیاتِ قرآنی میں کسی قسم کا اجمال، ابہام یااشتباہ ہو یا ان کے فہم میں مشکلات ہوں اور ان کی توضیح کیلئے تاریخی پسِ منظر کا علم ضروری ہو یا ایسی آیات جن سے احکام ومسائل اور اسرار ومعارف کا استنباط مقصود ہو تو ایسے مواقع پر لغتِ عرب کی حیثیت ثانوی ہوگی۔ قرآن حکیم، احادیث نبوی ﷺاور آثار صحابہؓ وتابعین کو اولین ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ شاذونادر قسم کے معانی پر قرآنی الفاظ کو محمول کرنا اور دور دراز کے معانی مراد لینا صحیح طرز تفسیر نہیں ہے۔یہی بات زرکشی لکھتے ہیں کہ اُن کا مقصد تفسیر میں لغت کو بالکلیہ نظرانداز کرنا نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ کسی آیت کے ظاہر اور متبادر معنی کو چھوڑ کر ایسے معانی بیان کرنا ممنوع ہے جو قلیل الاستعمال اور دور ازکار لغوی تحقیقات پر مبنی ہوں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم عرب کے عام محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے۔ لہٰذا جس جگہ قرآن وسنت یا آثار صحابہؓ میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جواہلِ عرب کے عمومی محاورات میں متبادر طورپر سمجھی جاتی ہو ایسے مواقع پر اشعارِ عرب سے استدلال کرکے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھے ہوئے ہیں لیکن عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتے۔[1]کیونکہ بسا اوقات لغت میں کوئی لفظ ایک معنی کیلئے وضع ہوتا ہے اور کبھی مختلف معانی کیلئے۔ کسی جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے کسی جگہ مجازی۔ کہیں اس کا لغوی مفہوم مراد لیا جاتا ہے اور کہیں اصطلاحی۔ نزولِ قرآن کے وقت متعدد الفاظ ایسے بھی تھے جن کے معانی تبدیل ہوچکے تھے ۔ زمانہء جاہلیت میں بعض الفاظ کے معانی عام تھے جبکہ اسلام کی آمد کے بعد وہ الفاظ کسی ایک مفہوم کیلئے خاص ہوگئے مثلاً صلوۃ، زکوۃ، حج، بیع اورمزارعہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اسلام سے قبل زمانہء جاہلیت میں مستعمل نہیں تھے اور عرب بھی ان سے آشنا نہ تھے مثلاً منافق اور فاسق وغیرہ۔ استشہاد کے کثیر مجالات ہیں مثلاً

1) استشہاد فی مجال اللغۃ

2) استشہاد فی مجال الغریب

3) استشہاد فی مجال القراء ات

4) استشہاد فی مجال النحو

5) استشہاد فی مجال البلاغۃ

6) استشہاد فی مجال الأدب

7) استشہاد فی مجال الدین

8) استشہاد فی مجال التاریخ والقصص

عربی لغت میں غریب کلام کا اطلاق اس لفظ یا ترکیب پر کیا جاتا ہے جس میں نہایت درجے کی پیچیدگی پائی جاتی ہو اور اس کے فہم کے حوالہ سے اس میں بُعد پایا جاتا ہو عَرَبَ بمعنی بَعُدَ ہے۔ الغریب: الْغَامِضُ من الکلام۔[2] امام ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی کے بقول:

**"الغریب من الکلام انما هو الغامض البعید من الفهم کما ان الغریب من الناس انما هو البعید عن الوطن المنقطع عن الأهل"**

"کلامِ غریب وہ کلام ہے جو پیچیدہ اور فہم وپہچان سے بعید تر ہو جیسا کہ لوگوں میں سے غریب الوطن وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنے گھر بار سے دور ہوتا ہے"

لہٰذا غریب کلام سے یا تو ایسا کلام مراد ہے جس کا مفہوم سمجھ اور فہم سے دور ہو اور اس کا سمجھنا سوچ وبچار اور غوروفکر کے بعد ہی ممکن ہو یا پھر وہ کلام مراد ہے جو تہذیب وثقافت کے مراکز سے دور رہنے والے اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہوں یعنی دور دراز کے قبائلی لوگوں کی لغت اور الفاظ جنہیں سن کر ہمیں اجنبیّت محسوس ہو اور وہ الفاظ ہمیں نامو س لگیں۔[3]

امام راغب اصفہانی کی رائے میں ہر اس لفظ کو غریب کہا جاتا ہے جس کا معنی فوراً ذہن میں نہ آئے اور جس کی کوئی مثال نہ ملتی ہو یعنی ایسے الفاظ جن کا مفہوم دیر اور مشکل سے سمجھ میں آئے اور لغت میں ان الفاظ کی مثالیں اور مترادفات موجود نہ ہوں انہیں غریب الفاظ کہا جاتا ہے۔[4]

**لفظ غریب کا لغوی واصطلاحی مفہوم:**

غرائب جمع ہے غریبہ کی اور اس سے مراد نامانوس کلام ہے۔ کلامِ غریب فصیح کلام ہے۔ لفظ "غریب" کی اِس لغوی تعریف پر جب غور کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے کلام پر منطبق نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طرح کے عیوب سے کلی طور پر پاک ہے اور وہ کلماتِ متنافرۃ،[5] وحشیہ۔[6] شاذۃ،[7] متروکہ[8] اور غیر مانوس الفاظ وتراکیب سے بالکل خالی ہے۔ اسی لیے مصطفی صادق رافعی کہتے ہیں کہ علمائے لغت نے غرائبِ قرآن کی جو تعریف کی ہے اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ الفاظ قرآنیہ میں کوئی نکارت یا شذوذ پایا جاتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم اس طرح کے عیوب سے من کل الوجود پاک ہے۔

رافعی غریب الفاظ کی درج ذیل اصطلاحی تعریف کرتے ہیں۔

**"وانما اللفظة الغریبة ههنا أی فی القرآن الکریم هی التی تکون حسنة مستغربة فی التأویل، بحیث لایتساوی فی العلم بها أهلها وسائر الناس"**[9]

"یعنی قرآن کریم میں غریب الفاظ کے پائے جانے کا مطلب ہے کہ وہ الفاظِ حسنہ کہ جن کی تاویل اور حقیقی مراد کے جاننے میں غرابت پائی جاتی ہو ان کے بارے میں علم حاصل کرنے میں تمام اہلِ علم اور تمام لوگ یکساں مقام نہ رکھتے ہوں"

لہٰذا غریب القرآن سے مراد وہ کلام حسن ہے جس میں واضح فصاحت پائی جاتی ہو اگرچہ اپنی تاویل کے حوالے سے اس میں کچھ غرابت اور اس کے معانی میں کچھ ابہام ہو کہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں اہل تفسیر اور دوسرے لوگوں کے مابین کچھ نہ کچھ تفاوت پایا جاتا ہو۔ بہر حال کلماتِ قرآنیہ کی غرابت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کلمات مہجورہ یا شاذ ہیں یا ان میں نکارت یا تنافر پایا جاتا ہے کیونکہ تمام الہامی کلام فصیح وبلیغ ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کے کلام میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت پائی جاتی ہے۔ابوحیان اندلسی غریب القرآن کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی لغات کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس کے معانی کو اہلِ عرب کے عوام وخواص یکساں طور پر جانتے ہیں جیسے آسمان، زمین، اوپر اور نیچے جیسے الفاظ۔ دوسری قسم کے الفاظ وہ ہیں جن کی معرفت صرف وہ لوگ حاصل کرسکتے ہیں جنہیں لغاتِ عربیہ میں بے پناہ تبحّر حاصل ہوتا ہے ۔ یہی وہ قسم ہے جس میں بہت سے لوگوں نے غریب القرآن کے عنوان کے تحت تصانیف لکھی ہیں۔ غریب القرآن وہ فصیح وبلیغ قرآنی الفاظ ہیں جن کے معانی کے فہم میں عام قاری یامفسر کیلئے پوشیدگی پائی جاتی ہو یا ان کے معانی کے جاننے میں وہ التباس کا شکار ہوں۔الغرض غریب القرآن کے علم سے مراد وہ علم ہے جس میں الفاظِ قرآنیہ میں سے غامض الفاظ کی وضاحت بیان کی گئی ہو اور قرآن کریم کے مبہم الفاظ کی وہ تفسیر بیان کی گئی ہو جو اقوالِ ماثورہ اور لغاتِ عرب میں پائی جاتی ہے)۔[10]

مذکورہ تصریحات سے عیاں ہوتا ہے کہ قرآن کے غریب الفاظ اور کلمات کی معرفت ان بنیادی چیزوں میں سے ہے جو قرآن کی تفسیر اور کلامِ الٰہی کے فہم میں انتہائی معاون ومددگار ہے۔ قرآنی کلمات کے مطالب کے ادراک، اس کے احکام کے استنباط، قرآنی آیات میں تدبر اور قرآنی قصص میں پائی جانے والی حکمت ومصلحت کی معرفت کیلئے غریب القرآن کی معرفت ناگزیر ہے گویا کہ غریب القرآن کی معرفت کلامِ الٰہی کو جاننے کے حوالے سے کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت سے ہی اس علم کی طرف توجہ دی جانے لگی صحابہ کرامؓ میں عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی بنیاد رکھی۔

اس سلسلے میں فراء(207ھ) کی معانی القرآن، ابو عبیدۃ(210 ھ)کی مجاز القرآن، ابن قتیبۃ(276 ھ) کی مشکل القرآن، ابن جریر طبری(310ھ) کی جامع البیان عن تأویل آی القرآن اور ثعلبی(427ھ) کی الکشف والبیان فی تفسیر القرآن کا شرح الغریب کے حوالہ سے تقابلی مطالعہ کیا جائے گا کہ وہ مفرداتِ قرآنیہ کی تفسیر وتوضیح میں کس طرح عربی شاعری سے استشہاد کرتے ہیں۔ کسی لفظ کی شرح میں مذکورہ مفسرین میں سے اگر کسی نے استشہاد نہیں کیا ہوگا تو یہ نشاندہی کی جائے گی کہ مفہوم کے تعین میں اس مفسر کا کیا مؤقف ہے؟ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا کہ غریب القرآن کے معانی کے فہم اور اس کے مدلولات کے بیان میں بالخصوص جاہلی عربی شاعری کا کیا اثر ہوا۔ علاوہ ازیں غریب القرآن کے معنی کی تحدید میں جاہلی عربی شاعری پر مفسرین کے اعتماد کی توضیح ہوگی۔)

"اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ"[11]

"بتلادیجیے ہم کو رستہ سیدھا"

**الصّراط:-** سیدھے اور آسان راستے کو" صراط "کہتے ہیں یعنی وہ سیدھا اورآسان راستہ جس میں کجی اور ٹیڑھ نہ ہو. ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ" صراط "کا معنی راستہ اور واضح منہاج کے ہے۔ راجز کا درج ذیل قول بھی اسی معنی میں ہے۔ ابوعبیدہ اور طبری اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔"فَصَدَّ عَنْ نَهۡجِ الصِّراطِ الْقَاصِدِ "یعنی وہ سیدھے راستے پر چلنے سے روک دیا گیا۔اسی معنی میں جریر[12] کے درج ذیل شعر سے ابوعبیدہ، طبری اور ثعلبی استشہاد کرتے ہیں۔

"أميرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ على صِرَاطٍ إذا اعۡوَجَّ الۡمَوَارِدُ مُسۡتَقِيۡمٍ وافر"[13]

"امیر المومنین سیدھے راستے پر ہے اگرچہ موارد میں کجی ہو"

یعنی موارد بمعنی طُرُق ہے اوراس کاواحد موردۃٌ ہے۔ابوعبیدہ اَبی ذوَیب ھذلی کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

"وَطِئۡنَا أرۡضَهُمۡ بالخَيۡلِ حَتَّى تَرَكۡنَاهُمۡ أذَلَّ مِنَ الصِّراطِ"[14]

"یعنی ہم صبح صبح گھوڑوں پر ان کی سرزمین پر پہنچے یہاں تک کہ ہم نے انہیں زمین سے بھی پست ترکردیا"

اس قرآنی آیت میں تین مختلف شعراء کے اشعار سے استدلال کیا گیاہے۔ ابوعبیدہ نے ابوذؤیب ہذلی اورجریر کے ایک ایک شعر سے اورراجز کے ایک قول سے لفظ الصراط کی توضیح کی ہے۔ صرف ثعلبی نے راجز کے مذکورہ قول سے استدلال نہیں کیا باقی طبری اور ثعلبی الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ وہی اشعار لائے ہیں جن سے ابوعبیدہ نے استشہاد کیا ہے۔ جہاں تک الفاظِ قرآنی کے معانی کی تعیین کاتعلق ہے تومفہوم تینوں مفسرین کے ہاں ایک ہی ہے یعنی الصراط کے معنی سیدھا اور آسان راستہ جس میں کجی اورٹیڑھ نہ ہو۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبری اور ثعلبی نے ابوعبیدہ کا نہ صرف اشعار میں تتبع کیا ہے بلکہ مفہوم بھی ابوعبیدہ سے لیاہے۔فراء اورابن قتیبہ مذکورہ قرآنی آیت کوتشریح کیلئے نہیں لائے۔

"وَكُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا"[15]

"پھر کھاؤ دونوں اس میں سے با فراغت جس جگہ سے چاہو"

**رَغَداً:** اس کا معنی ہے با فراغت، خوب، اچھی طرح۔ یہ مصدر ہے بمعنی بہت نعمت ہونے کے۔ رغبت سے۔ابوعبیدہ "رغداً "کے معنی کی تحدید کیلئے اعشی کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

زَبَدًا بِمِصۡرٍ يَوۡمَ يَسۡقَى أهلَهَا رَغَدًا تُفَجِّرُه النبيطُ خِلالَهَا

اس شعر میں رغداً بمعنی بافراغت کے ہیں یعنی واسعاً کے معنی میں ہے۔ طبری لکھتے ہیں کہ رَغداً کا معنی لاحساب علیھم ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ أما الرغد، فانه الواسع من العيش، الهنيئ الذى لا يعنى صاحبه، يقال: أرغد فلان: إذا أصاب واسعاً من العيش الهنيء۔ طبری امرؤالقیس کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

بَيۡنَمَا الۡمَرۡءُ تَرَاهُ نَاعِماً يأمَنُ الأحۡداثَ فِي عَيۡشٍ رَغِدۡ[16]

مذکورہ اشعار میں رَغداً کا معنی واسعاً کثیراً کے ہیں یعنی بہت زیادہ کثیر۔[17] اس آیت کی تفسیروتوضیح میں صرف ابوعبیدہ نے اعشی اورطبری نے امرؤالقیس کے ایک ایک شعر سے استدلال کیا ہے۔ استدلال اگرچہ مختلف شعراء کے اشعار

سے کیا گیا ہے لیکن مفہوم دونوں مفسرین کے ہاں ایک ہی ہے۔ یعنی رغداً کا معنی بافراغت اورخوب اچھی طرح کے ہیں۔ ابن قتیبہ اس آیت کو تشریح کیلئے نہیں لائے۔ ثعلبی نے اگرچہ اس آیت میں شعری شواہد پیش نہیں کیے لیکن انہوں نے" رغداً "کامفہوم واسعًا کثیراً لکھا ہے فراء اس آیت کا یہ حصہ تفسیر کیلئے نہیں لائے۔

"وَاِذَاتَوَلّٰی سَعٰی فِي الْاَرْضِ لِیُفْسِدَفِیْهَا"[18]

"اورجب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے"

**سعٰی :** یہ ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے سَعْیٌ اسی سے مصدر ہے اس نے کوشش کی۔ اس نے جلدی کی۔ اس نے قصد کیا۔ دونوں قدموں سے تیز چلنے کو بھی" سعیٌ "کہتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے :

"وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی"[19]

"اور یہ کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی"

"وَمَنْ اَرَادَالْاٰخِرَةَوَسَعٰی لَهَاسَعْیَهَاوَهُوَمُؤْمِنٌ"[20]

"اور جو شخص (آخرت کے )ثواب کی نیت رکھے گا اور اس کیلئے جیسی سعی کرنا چاہیے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہوگا"

طبری اور ثعلبی لکھتے ہیں:

کہ سَعٰی بمعنی عمل ہے او ر اعشٰی کے درج ذیل شعر سے مزید توضیح کیلئے استشہاد کرتے ہیں:

وَسَعَی لِکِنْدَةَسَعْيَ غَیْرِمُوَاکِلٍ قَیْسٌ فَضَرَّعَدُوَّهاوَبَنَی لَها[21]

اس شعر میں سعی بمعنی کوشش اور عمل کے ہے۔[22]

اِس آیت میں لفظ" سعي "کی توضیح میں طبری اورثعلبی نے اعشٰی کے ایک ہی شعر سے استشہاد کیا ہے۔ تحدید معنی میں دونوں مفسرین یکساں ہیں۔ تاہم طبری نے اس شعر سے ثعلبی سے پہلے استدلال کیا ہے اور ثعلبی نے طبری کے تتبع میں اسی شعر سے استشہاد کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے اس میں کوئی شعر شاہد پیش نہیں کیا البتہ سورۃ الِاسراء کی آیت کے تحت السعی کا مفہوم" العمل "متعین کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب"**عمل لهاعملها**"ہے۔ ابوعبیدہ مجاز القرآن میں مذکورہ تینوں قرآنی آیات تفسیروتشریح کیلئے نہیں لائے۔ فراء تشریح کیلئے یہ آیت تولائے ہیں لیکن اس آیت کے مذکورہ حصہ کی تشریح نہیں کی ہے۔

"وَلَاتَسْئَمُوْٓااَنْ تَکْتُبُوْهُ صَغِیْرًااَوْکَبِیْرًااِلٰٓی اَجَلِه"[23]

"اور تم اس دین کے باربار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا"

**لَاتَسْئَمُوْا :**یعنی ولاتملّوا اس کا معنی ہے تم کاہلی نہ کرو۔ تم مت اکتاؤ۔ سَأمَۃٌ ملول ہونا، اکتانا، یعنی کسی چیز کے زیادہ عرصہ تک رہنے کی وجہ سے اس سے کبیدہ خاطر یادل برداشتہ ہوجانا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

"وَهُمْ لَایَسْئَمُوْنَ"[24]

''اور (وہ) اس سے ذرا نہیں اکتاتے ''

ثعلبی لکھتے ہیں کہ: وَلاَتَسْئمُوْا کا معنیٰ ہے ولاتملّوا یُقال :(سئمت أسأم سأماً و سآمة) لَايَسْئمُ الإنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ [25] آدمی ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا۔(طبری اور ثعلبی اپنی تفاسیر میں لفظ''لاتَسْئَمُوا''کی توضیح اور معنی کی تعیین کیلئے درج ذیل اشعار سے استدلال کرتے ہیں۔ لبید بن ربیعہ کا اِسی مفہوم میں شعر ہے۔

ولقد سَئِمْتُ من الحياة و طُوَلها وسؤالِ هذا الناسِ: كيف لبيدُ

زہیر بن ابی سلمٰی کا شعر ہے:

سَئِمْتُ تَكالِيْفَ الْحَياةِ و من يَعِشْ ثَمَانِينَ حوْلاً لا أبالكَ يسْأمِ

یعنی میں زندگی کی خوشگواریوں سے اکتا چکا ہوں جو شخص اسی (80) سال کو پہنچ جائے وہ لامحالہ اکتاہی جاتا ہے۔(مذکورہ دونوں اشعار میں''سئمت''بمعنی اکتا جانے اور تنگ آجانے کے استعمال ہوا ہے یعنی مللت میں اکتا گیا ہوں۔ اور یہی مفہوم قرآنی آیت میں بھی پایا جاتا ہے۔ [26]

تحدید معنی کے لیے طبری اور ثعلبی نے ایک ہی قسم کے دو اشعار سے استدلال کیا ہے۔ مذکورہ دونوں اشعار میں لفظ ''سئمت'' بمعنی اکتا جانے کے استعمال ہوا ہے اور یہی مقصود و مراد قرآنی آیت کا ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثعلبی نے طبری کے تتبع میں انہی اشعار سے استشہاد کیا ہے جن سے طبری نے کیا ہے علاوہ ازیں طبری نے تفصیل سے اس معنی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابو عبیدہ اور ابن قتیبہ نے تفسیر و توضیح کے لیے اس قرآنی آیت کا انتخاب تو کیا ہے لیکن تشریح کے لیے اس لفظ کا انتخاب نہیں کیا۔ فرا تشریح کے لیے یہ آیت نہیں لائے۔(5) اِذْ تَحُسُّوْ نَهُمْ بِإِذْنِهِ [27] (جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔)

**تَحُسُّوْنَهُمْ:** اس کا معنی ہے تقتلونہم تم انہیں قتل کرتے تھے۔ ابو عبیدہ اور ثعلبی مزید توضیح اور معنی کی تعیین کیلئے درج ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔ رؤبۃ کا شعر ہے:

إذا شكونا سَنَةً حسوساً تأكل بعد الأخضرِ الْيبيساَ

ثعلبی ایک اور شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

حَسَسْنَاهُمْ بِالسَّيْفِ حَسّاً فأصْبَحَتْ بَقِيَّتُهُمْ قد شُرِّدوا و تبدَّدوا

مذکورہ دونوں اشعار میں ''حسوساً'' اور ''حسسنا'' شدید قتل کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور یہی مفہوم قرآنی آیت کا ہے۔ ابو عبیدہ کے ہاں بھی الحس بمعنی الاستیصال بالقتل ہے۔ [28]

تَحُسُّوْنَهُمْ کی توضیح کے لیے ابو عبیدہ نے ایک جبکہ ثعلبی نے دو اشعار سے استشہاد کیا ہے ابو عبیدہ نے رؤبۃ کے جس شعر سے استدلال کیا ہے اس میں حسوساً کا لفظ شدید قتل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اس شعر سے ابو عبیدہ کے تتبع میں ثعلبی نے بھی استشہاد کیا ہے ثعلبی مزید توضیح کے لیے بغیر نسبت ایک اور شعر لائے ہیں جس میں حَسَسْناهُمْ اور حسًّا شدید قتل کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ تحُسُّونہم کا معنی بھی تَقْتُلُوْنَهُمْ ہے۔ ابو عبیدہ اور ثعلبی کے ہاں تَحُسُّونَهم کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی قتل کرنا۔ ثعلبی نے یہ مفہوم ابو عبیدہ سے لیا ہے تاہم اس نے استدلال کے لیے ایک شعر کا اضافہ بھی کیا ہے۔ طبری اگرچہ ''تَحُسُّونَهم'' کی توضیح کے

لیے شعری شاہد نہیں لائے لیکن الحس کے معنی القتل لکھے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس کا معنی بھی "تَقْتُلُوْنَهُمْ" ہے۔ ابن قتیبہ تشریح کے لیے یہ آیت ہی نہیں لائے جبکہ فراء اس آیت کا مطلوبہ حصہ تشریح کے لیے نہیں لائے۔)

"مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ"[29]

"معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان"

**مذبذب:** مضطرب، دو امور یا دو آدمیوں کے درمیان حالتِ تردُّد میں ہونا اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت قدم نہ ہونا۔ متردّد اور متحیّر ہونا۔ حالتِ اضطراب میں ہونا۔ طبری نابغہ ذبیانی کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

**أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَعْطَاكَ سُوْرَةً تَرَى كُلَّ مَلْكٍ دُوْنَهَا يَتَذَبْذَبُ**[30]

اس شعر میں لفظ "یتذبذب" متحیر اور ثابت قدم نہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔یعنی منافقین کفر اور ایمان کے درمیان حالتِ اضطراب میں ہیں۔[31] تذبذب کی تشریح کیلئے صرف طبری نے ایک شعر سے استدلال کیا ہے جس میں یتذبذب کا مفہوم متحیر اور ثابت قدم نہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فراء، ابوعبیدہ اور ابن قتیبہ تشریح کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔ ثعلبی نے اِس لفظ کی توضیح میں کوئی شعری شاہد پیش نہیں کیا لیکن ان کے ہاں اس کا مفہوم "**أی متر ددین متحیرین بین الکفر و الایمان**" ہے۔

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً"[32]

"تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی"

**الْمِنْهَاج:** کھلا راستہ، واضح اور روشن راستہ۔ ابوعبیدہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد سبیلاً و اضحاً بیناً یعنی واضح اور کھلا راستہ، طبری لکھتے ہیں کہ **فإن اصله: الطريق البيّن الواضح يقال منه: هو طريق نَهْجٌ و منهجٌ بيّنٌ**، یعنی واضح اور کھلا طریق۔ ابوعبیدہ اور طبری راجز[33] کے درج ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

**مَنْ يَكُ فِي شَكٍّ فَهذا فَلْجٌ مَاءٌ رواءٌ وَطَرِيقٌ نَهْجٌ**

راجز کے اس شعر میں نَہجٌ سے مراد واضح سبیل اور طریق ہے اور یہی مفہوم قرآنی آیت کا بھی ہے۔ تفسیر ثعلبی میں بھی اِسی شعر سے استدلال کیا گیا ہے لیکن اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

**من يک فی شک فهلا ولج فی طريق المهج**

ثعلبی لکھتے ہیں کہ:

> "ہر قوم کیلئے اللہ نے ایک شریعت اور منہاج بنایا ہے۔ اہل تورات کیلئے ایک الگ شریعت ہے، اہل انجیل کیلئے الگ شریعت اور اہل قرآن کیلئے بھی ایک شریعت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین ایک جبکہ شرائع مختلف ہیں۔ مذکورہ اشعار میں لفظ نہج سے مراد راستہ اور طریقہ کے ہیں اور قرآنی آیت میں بھی منہاج سے یہی مراد ہے"[34]

"منہاج" کی توضیح کیلئے لغوی استشہاد سے واضح ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ابوعبیدہ نے اس کی تعبیر و توضیح کیلئے عربی شاعری سے استدلال و استشہاد کیا ہے۔ ابوعبیدہ کے تتبع میں طبری اور ثعلبی نے بھی اُسی شعر سے استدلال کیا ہے اس لیے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابوعبیدہ کو لغوی استشہاد کے حوالہ سے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فراء اور ابن قتیبہ تفسیر و تشریح کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔

"اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْباً كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا"[35]

"جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے"

**لَمْ يَغْنَوْ فِيْهَا:** انہوں نے قیام نہیں کیا۔ وہ نہیں ٹھہرے گویا کہ وہ بستے ہی نہ تھے۔ یعنی نہ وہ آئے، نہ ٹھہرے اور نہ ہی قیام کیا۔

ابو عبیدہ لکھتے ہیں:

"أی لم ینزلوا فیھا و لم یعیشوا فیھا"

"یعنی نہ تو وہ اس میں آئے اور نہ ہی انہوں نے قیام کیا"

ابو عبیدہ مُہَلْہِل بن ربیعہ کے شعر سے اشتشہاد کرتے ہیں:

غَنِيتُ دارنا تِهَامَة في الدھر وفیھا بنو معدٍّ حُلُولا

دوسرا شعر ہے:

أتعرف مغنیً دِمْنَةٍ و رُسومِ

طبری نے ابو عبیدہ کے تتبع میں "لَمْ یغنوا" کے وہی معنی تحریر کیے ہیں البتہ وہ عبید بن الأبرص کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ یَغْنَی بِهِ جِیْرانُکِ ال مُمِسْکُو منکِ بعَهْدٍ وَ وِصَالِ

طبری مزید توضیح کیلئے رؤبہ کا شعر لاتے ہیں:

وَعَهْدُ مَغْنَی دِمْنَةٍ بِضَلْفَعَا

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں "لَمْ یَغْنوا" کے معنی ابو عبیدہ اور طبری کی مانند قیام نہ کرنا اور نہ ٹھہرنا کے لیے ہیں۔ البتہ وہ لبید بن ربیعہ کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

وغِنِيتُ ستاًقبل مَجْری داھسٍ لو کان للنفس اللجوجِ خلودُ[36]

پھر وہ حاتم طائی[37] کے شعر کو بطور استدلال لاتے ہیں۔

غنینا زماناً للتصَعْلُکِ و الغنی فکلاًّ سقانا بکأسیھما الدَّھْرُ[38]

ان تمام اشعار میں یغنی، مَغْنَی، غنیت اور غنیناً قیام کرنے، ٹھہرنے اور بسنے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں جن کا اصل مادہ "غنی" ہے۔[39] اس مثال میں ابو عبیدہ، طبری اور ثعلبی نے دو اشعار سے استدلال کرتے ہوئے یَغْنَوْا کے معنی قیام کرنا، ٹھہرنا کے کیے ہیں۔ تینوں مفسرین نے مختلف شعرا کے اشعار سے استشہاد کے ذریعے یَغْنَوْا کے معنی کی تعیین کی کوشش کی ہے۔ فراء اور ابن قتیبہ اپنی تفسیر میں یہ آیت نہیں لائے۔

"وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْـــلَةً"[40]

"اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو (تم خدا پر توکل رکھو)"

**عَيْلَةً:** عَالَ یَعِیْلُ عَیْلَةً و عُیُوْلاً سے مصدر ہے جس کا معنی فاقہ، فقر اور مفلسی کے ہیں۔ ابو عبیدہ، طبری اور ثعلبی لکھتے ہیں کہ عَیْلَۃ سے مراد فقر و فاقہ ہے۔ اور ذیل کے ایک ہی شعر سے تینوں مفسرین استشہاد کرتے ہیں۔

ومَایَدْرِي الْفَقِیْرُ مَتَی غِناهُ وَمَایَدْرِی الْغَنِيُّ مَتَی یَعِیْلُ[41] (وافر)

اس شعر میں "یَعِیْلُ" فقر وفاقہ اور مفلسی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یہی مفہوم قرآنی آیت کا ہے۔ طبری اور ثعلبی نے ابوعبیدہ کے تتبع میں مذکورہ شعر سے استدلال کیا ہے یہ مفہوم بھی ابوعبیدہ سے لیا ہے۔ فراء یہ آیت تو لائے ہیں لیکن آیت کے مطلوبہ حصہ کی تشریح نہیں کی۔ ابن قتیبہ تفسیر کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔

"فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ"[42]

"سو جو کچھ یہ لوگ (کفر وایذاء واستہزا) کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو۔"

**تَبْتَئِسْ:** اس سے اِبْتئاس مصدر ہے جس کا معنی الحزن غمگین اور رنجیدہ ہونا ہے یعنی تو غم نہ کھا اور تو غمگین نہ ہو۔ ایہ البؤس سے ہے طبری اس کا مفہوم غمگین اور رنجیدہ نہ ہونا لیتے ہیں، صرف طبری نے لبید بن ربیعہ کے درج ذیل شعر سے استشہاد کیا ہے۔

**في مأْتَمٍ كَنِعاجِ صا رَةَ يَبْتَئِسْنَ بِمَا لَقِيْنَا[43] (کامل)**

اس شعر میں یَبْتَئِسْنَ کا معنی غم کھانے اور رنجیدہ ہونے کے ہیں اور یہی مفہوم قرآنی آیت میں مراد ہے۔ ابن قتیبہ اور ابوعبیدہ اپنی تفسیر میں یہ آیت نہیں لائے۔ ثعلبی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "ولا تحزن وهو منفعل من البؤس" فراء لکھتے ہیں کہ اس کا معنی لاتَسْتكِنْ ولا تحزن ہے استدلال کیلئے کوئی شعر نہیں لائے ہیں۔

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ"[44]

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے بجائے نعمت الٰہی کے کفر کیا اور جنہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر پہنچایا"

**اَلْبَوَار:** اس کے معنی ہلاکت، تباہی وبربادی اور کسی چیز کا مندا پڑ جانا وغیرہ ہے۔ ابوعبیدہ لکھتے ہیں کہ "أي الهلاک والفناء"، یعنی اس کا معنی ہلاک اور فنا ہے۔ طبری نے بھی یہی معنی تحریر کیا ہے۔ ابوعبیدہ اور طبری عبداللہ بن الزّبَعْری[45] کے ذیل کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

**يَا رَسُولَ الْمَلِيكِ إنَّ لِسَانِيْ رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ إذْ أنا بُوْرُ (خفیف)**

اس شعر میں "بور" کا لفظ تباہی وبربادی اور ہلاکت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے قرآنی آیت میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔[46] اس آیت میں استشہاد کے حوالے سے طبری نے مجاز القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ ابن قتیبہ تشریح کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔ ثعلبی نے "البوار" کی توضیح کیلئے اگرچہ کسی شعر سے استدلال نہیں کیا لیکن انہوں نے بھی اس کا مفہوم "الهلاک" لکھا۔ فراء تشریح کیلئے یہ آیت ہی نہیں لائے۔

"مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُؤُسِهِمْ"[47]

"دوڑتے ہوں گے اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے"

**مُهْطِعِيْنَ:** سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے۔ مُهْطِعٌ: عاجزی اور ذلت سے نظر نہ اٹھانے والا، بلانے والے کی طرف خاموش چلا جانے والا، گردن دراز کر کے نظر جمائے تیزی سے چلنے والا۔ ابوعبیدہ لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "مُسْرِعِيْنَ" یعنی تیزی سے چلنے والے۔ طبری لکھتے ہیں کہ "المهطع الّذى لا يرفع رأسه" یعنی مہطع اُسے کہتے ہیں جو سر نہ اٹھانے والا ہو۔ کلام عرب میں الِاهطاع بمعنی الإسراع ہے۔ ثعلبی نے بھی یہی معنی تحریر کیے ہیں۔ ابوعبیدہ درج ذیل اشعار سے استدلال کرتے ہیں انیف بن جبلۃ کا شعر ہے۔

بِمُهْطِعٍ سُرُحٍ كأنَّ زِمامَهُ      فيْ رأسِ جَذْعٍ مِنْ أوالَ مُشَذَّبِ (کامل)

دوسرا شعر ہے:

بِمُسْتَهْطِعٍ رَسْلٍ كأنَّ جَديْلَهُ      بِقَيْدُوْمِ رَعْنٍ مِنْ صَوامٍ مُمَنَّعِ

یزید بن مفرّع حِمیری کا شعر اسی مفہوم میں ہے۔

بِدِجْلَةَ دارُهم ولقد أراهم      بِدِجْلَةَ مُهطِعِين إلى السماعِ

مذکورہ تین اشعار میں سے پہلے دو اشعار سے طبری اور ثعلبی نے بھی استشہاد کیا ہے۔ ثعلبی نے درج ذیل شعر سے بھی استدلال کیا ہے۔

تعبدني نمر بن سعد، وقد أرى      ونمر بن سعد لي مطيع ومهطع[48]

مذکورہ تمام اشعار میں "مھطع" سے مراد تیزی سے چلنے کے ہیں اور یہی مفہوم قرآنی آیت میں ہے۔ اس آیت میں استشہاد کے حوالے سے طبری اور ثعلبی نے بنیادی طور پر ابوعبیدہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور یہ مفہوم اسی سے لیا ہے۔ کیونکہ ابوعبیدہ کے استدلال کے طور پر لائے گئے تین اشعار میں سے دو سے طبری اور ثعلبی نے استشہاد کیا ہے اور ان اشعار میں بِمُسْتَهْطِعٍ، بِمُهْطِعٍ اور مُهْطِعِيْن سے شعرا کی مراد سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے اور تیزی سے چلنے والے ہیں۔ مذکورہ قرآنی آیت میں بھی یہی مقصود ہے۔ ثعلبی نے ابوعبیدہ اور طبری سے ہٹ کر مزید توضیح کے لیے ایک اور شعر سے استشہاد کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے اس آیت میں "مُهطِعِيْنَ" کی تشریح نہ کی ہے۔ فراء تشریح کیلئے یہ آیت تو لائے ہیں لیکن اس آیت کے مطلوبہ حصہ کی تشریح نہیں کی۔

"فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُؤُسَهُمْ"[49]

"اس پر آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر کہیں گے"

**يُنْغِضُوْنَ:** تعجب یا استہزا کے طور پر حرکت کرنا۔ نَغْضٌ اور نَغُوْضٌ مصدر ہیں جس کے معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینا ہے۔

فراء اس کے معنی لکھتے ہیں

"يقال أنغض رأسه أي حرّكه إلى فوق وإلى أسفل"

ابوعبیدہ لکھتے ہیں:

"مجازه: فسير فعون ويحركون استهزاءً منهم ويقال: قد نغضت سِنُّ فلانٍ إذا تحركت وارتفعت من أصلها"

طبری لکھتے ہیں کہ کلام عرب میں نَغْضٌ سے مراد "إنما هو حركة بارتفاع ثم انخفاض، او انخفاض ثم ارتفاع" الغرض ابوعبیدہ، طبری اور ثعلبی کے ہاں "يُنْغِضُوْن" کا لغوی مفہوم تعجب یا استہزاء کے طور پر اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت کرنا ہے۔ ابوعبیدہ درج ذیل اشعار سے استدلال کرتے ہیں۔

ونَغَضَتْ مِنْ هَرَمٍ أسنانُها[50] (رجز)

لمّا رأتْني أنْغَضَتْ ليَ الرَّأسا[51] (رجز)

ابوعبیدہ کے تتبع میں طبری نے مذکورہ دونوں جبکہ ثعلبی نے دوسرے شعر سے استشہاد کیا ہے۔ ابوعبیدہ ذُوالرمۃ کے ذیل کے شعر سے بھی سند پکڑتے ہیں۔

ظعائن لم يسكنّ أكناف قرْيَةً      بسَيْفٍ ولم تَنْغُضْ بهن الْقناطِرُ[52]

طبری عجاج کے درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

أسکّ نَغْضًا لایَنِيْ مُسْتَهْدِجاً[53]

ثعلبی راجز کے ذیل کے قول سے بھی استشہاد کرتے ہیں

"ناغض نحوی رأسه و أقنعا"

اس آیت کی تفسیر و توضیح میں ابوعبیدہ نے تین اشعار سے استدلال کیا ہے ابوعبیدہ کے تتبع میں طبری نے دو جبکہ ثعلبی نے ان تین اشعار میں سے ایک شعر سے استشہاد کیا ہے۔ طبری اور ثعلبی نے مزید ایک ایک شعر سے بھی سندلی ہے۔ ان تمام اشعار میں نَغَضَتْ، أنْغَضَتْ، ظغائن، نَغْضاً اور ناغِضْ سے مراد تعجب یا استہزاء کے طور پر حرکت کرنا ہے۔یہی مدعا و منشاء قرآنی آیت فَسَيُنْغِضُوْنَ کا ہے۔ تینوں مفسرین کے ہاں مفہوم ایک ہی ہے لیکن طبری اور ثعلبی نے ابوعبیدہ سے مفہوم کے تعین میں استفادہ کیا ہے بلکہ استشہاد کے طور پر وہی اشعار لائے ہیں جن سے ابوعبیدہ نے استدلال کیا ہے۔ فراء نے اس آیت میں کسی شعر سے استدلال نہیں کیا اور ابن قتیبہ یہ آیت ہی نہیں لائے۔[54]

"يُصْهَرُ بِهِ مَافِيْ بُطُونِهِمْ وَالْجُلُوْد"[55]

"(اور) اس سے ان کے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور (ان کی) کھالیں سب گل جاویں گی"

**يُصْهَرُ:** صَهْرٌ مصدر ہے اس کے معنی ہیں پگھلا دیا جائے گا۔ صَہُر گرم چیز، صِهْرٌ: رشتہ داری اور اپنائیت خُسر الی رشتہ داری۔ اِصْهعارٌ داماد بنانا۔ ابوعبیدہ درج ذیل اشعار سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا معنی "يذاب به" ہے۔ عجاج کا شعر ہے:

شَكَّ السَّفَافِيْدِ الشَّواءَ الْمُصْطَهَرْ

ابن أحمر کا شعر ہے:

تَرْوِي لَقًى أُلْقِيَ فی صَفْصَفٍ　　تَصْهَرُهُ الشَّمْسُ فمايَنْصَهِر[56] (سريع)

طبری نے بھی مذکورہ دونوں اشعار سے استشہاد کیا ہے جبکہ ثعلبی نے صرف مؤخر الذکر شعر سے استدلال کیا ہے۔ مذکورہ تینوں مفسرین نے يُصْهَرُ به کا معنی "يُذاب به" لکھا ہے اور یہی مفہوم قرآنی آیت میں پایا جاتا ہے۔ طبری اور ثعلبی نے ابوعبیدہ سے یہ مفہوم لیا ہے۔

ابن قتیبہ یہ آیت تشریح کیلئے نہیں لائے۔ فراء لکھتے ہیں کہ اس کا معنی یذاب بہ ہے۔ تاہم انہوں نے کسی شعر سے استشہاد نہیں کیا۔

"فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلالِهِ"[57]

"پھر تو بارش کو دیکھتا کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

"وَيَجْعَلُه كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلالِه"[58]

"اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے"

**الودق:** سخت بارش۔ ابوعبیدہ اس کا معنی لکھتے ہیں اَی القطر والمطر۔ ابوعبیدہ اور طبری درج ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔ عامر بن جوین الطائی کہتا ہے۔

**فَلاَمُزْنَۃُوَدَقَتْ وَدْقَھا وَلاأرْض أبْقَلَ إبْقَالَھا (متقارب)**[59]

اس شعر میں "وَدَقَتْ" بارش کے معنوں میں استعمال ہوا ہے الوَدَق بمعنی المَطَر یعنی بارش کے معنوں میں ہے۔ قرآنی آیت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ الودق کی توضیح کے لیے ابوعبیدہ اور طبری نے ایک ہی شعر سے استدلال کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طبری نے الودق کی تفسیر کے لیے عربی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے ابوعبیدہ سے استفادہ کیا ہے۔ مذکورہ شعر میں وَدَقَتْ کا مفہوم دونوں مفسرین کے ہاں ایک ہی ہے یعنی مینہ، سخت بارش قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں بھی الودق سے مراد مینہ اور سخت بارش ہے۔ فراء لکھتے ہیں کہ اس کا معنی المطر ہے انہوں نے کسی شعر سے استشہاد نہیں کیا۔ ابن قتیبہ اس آیت کو تشریح کے لیے نہیں لائے۔ ثعلبی نے الودق کا کوئی مفہوم بیان نہیں کیا

**"وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَاماً"**[60]

"اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا۔

**أثام:** اثم کی جمع ہے بمعنی گناہ۔ مجازاً عذاب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ابوعبیدہ مجاز القرآن میں اس کے معنی لکھتے ہیں: أی عقوبۃ۔ ابوعبیدہ، طبری اور ثعلبی درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔ بلعاء بن قیس الکنانی[61] کے شعر میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

**جَزَی اللّٰہُ ابْنَ عُرْوَۃَ حَیْثُ أمسَی عُقُوْقاًوالعُقُوْقُ لَہٗ أثامُ (وافر)**[62]

اس شعر میں أثام بمعنی عقاب ہے۔ طبری اور ثعلبی نے بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ بنیادی طور پر ابوعبیدہ نے مذکورہ شعر سے لغوی استشہاد کیا ہے جس کے تتبع میں طبری اور ثعلبی نے بھی اس شعر سے استدلال کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مفہوم ابوعبیدہ سے لیا گیا ہے۔ ابن قتیبہ اس آیت کو تشریح کیلئے نہیں لائے۔ فراء لکھتے ہیں کہ أثام سے مراد عذاب ہے اور انہوں نے لغوی تشریح کیلئے کسی شعر سے استدلال نہیں کیا۔

**"وَاتَّقُوْا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ"**[63]

"اور اس (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا"

**الْجِبِلَّۃ:** اس کا معنی خلیقہ ہے۔ ابوعبیدہ اور طبری اس کا معنی الخلق لکھتے ہیں ثعلبی اس کا معنی الخلیقہ لکھتے ہیں۔ ابوعبیدہ اور طبری اَبوذؤیب کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

**مَنَایَایُقَرِّبْنَ الْحُتُوْفَ لأھْلِھَا جِھَاراًوَیَسْتَمْتِعْنَ بالأنسِ الجِبْل**

ثعلبی درج ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

**وَالمَوْتُ أعْظَمُ حادِثٍ مِمّایَمُرُّ عَلیٰ الْجِبِلَّۃ**[64] **(کامل)**

اس شعر میں جِبلّہ بمعنی خلیقہ ہے اور یہی مفہوم مذکورہ قرآنی آیت میں پایا جاتا ہے۔

الْجِبِلَّۃ کی توضیح کے لیے دو اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔ ابوعبیدہ اور طبری نے اَبوذؤیب کے ایک ہی شعر سے استشہاد کیا ہے جبکہ ثعلبی نے ان سے ہٹ کر ایک اور شعر سے استدلال کیا ہے۔ ان اشعار میں الجِبْل اور الجِبِلَّۃ کا معنی خلیقہ ہے۔ طبری نے استشہاد کے

حوالہ سے ابوعبیدہ سے استفادہ کیا ہے۔ ابن قتیبہ یہ آیت تشریح کیلئے نہیں لائے۔ فراء نے "الجِبِلّة" کی لغوی تشریح بیان نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی شعر سے استشہاد کیا ہے۔ البتہ اِس لفظ میں قراء کا اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عاصم اور اَعمش نے جیم کے کسرہ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ کچھ دوسرے قراء نے جیم کے رفع اور لام مشدّد یعنی والجُبُلّة پڑھا ہے۔

**"فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ"**[65]

"پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو الل گئے"

**مُقْمَحُون:** **قَمْحٌ** مادہ اور **إقْماح** مصدر ہے۔ وہ لوگ جو گردن پھنسنے کی وجہ سے سر اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ کہا جاتا ہے **قَمَحَ البعير** اونٹ نے (سیری کے بعد حوض سے) سر اوپر اٹھالیا یہی مفہوم بشر بن اَبی خازم اَسدی کے شعر میں بھی موجود ہے جس میں وہ کشتی کے وصف کا ذکر کرتا ہے اس شعر سے ابوعبیدہ اور ثعلبی نے استشہاد کیا ہے۔

**ونَحنُ على جوانبها قُعودٌ نَغُضُّ الطَّرف كالإبل القِماحِ**[66]

"جوانبها" سے مراد کشتی ہے۔ یعنی ان کے سر اٹھے ہوئے ہیں لیکن سمندر کی بڑی موج کے خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں۔

مقمحون کی وضاحت کے لیے ابوعبیدہ اور ثعلبی نے ایک ہی شعر سے استدلال کیا ہے۔ شعر میں **القُماح** اور قرآنی آیت میں **مُقْمَحُوْن** کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ثعلبی نے ابوعبیدہ کے تتبع میں اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

ابن قتیبہ یہ آیت تو تشریح کیلئے لائے ہیں لیکن لفظ مُقْمَحُوْنَ کا مفہوم بیان نہیں کیا ہے۔ طبری نے اگرچہ اس کی توضیح کیلئے کوئی شعری شاہد پیش نہیں کیا لیکن مُقْمحون کی بابت لکھتے ہیں کہ "**والْمُقْمَحُ: هو المقنع، وهو أن يحدر الذقن حتى يصير في الصدر، ثم يرفع رأسه... رافعوا رؤوسهم**" یعنی ان کے ہاں بھی اس سے مراد سر اوپر کو اٹھانا ہے۔ مذکورہ تینوں مفسرین کے ہاں مفہوم ایک ہی ہے۔ فراء لکھتے ہیں کہ **والمُقْمَحُ** سے مراد **العاضّ بصره بعد رفع رأسه** ہے۔ انہوں نے کسی شعر سے استدلال نہیں کیا ہے۔

**"وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ"**[67]

"نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں (ایسے اونچے) جیسے پہاڑ"

**الاعلام:** **عَلَمٌ** کی جمع ہے، جس کا معنی پہاڑ ہے۔ دراصل **عَلَمٌ** اس علامت کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی چیز کا علم ہو سکے جیسے نشانِ راہ کے پتھر وغیرہ مثلاً اہلِ عرب مسافروں اور بھوکے لوگوں کی رہنمائی کیلئے اونچے پہاڑوں پر آگ جلایا کرتے تھے۔ طبری اور ثعلبی خنساء بنت عمرو بن الشرید السلمی کے شعر سے استدلال کرتے ہیں جس میں اس نے اپنے بھائی صخر کے مرثیہ میں قصیدہ کہا:

**وَإنَّ صَخْرًا لَتَأتَمُّ الْهُداةُ بِهِ كأنّه عَلَمٌ في رأسه نارُ**[68]

تفسیر طبری میں پہلا مصرعہ نہیں ہے بلکہ صرف دوسرا مصرعہ جبکہ ثعلبی نے مکمل شعر لکھا ہے۔ ثعلبی نے یہ مفہوم طبری سے لیا ہے۔ اہل عرب ہر بلند چیز کو عَلَم کہتے ہیں جیسا کہ خنساء کے مذکورہ شعر میں بھی "علم" میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ ابن قتیبہ تشریح کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔ ابوعبیدہ نے اگرچہ لفظ "الاعلام" کی توضیح کیلئے شعری شواہد پیش نہیں کیے لیکن اس کا مفہوم انہوں نے بھی الجبال لکھا ہے۔ فراء یہ آیت نہیں لائے۔

**"فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ"**[69]

"توان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے (گزشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں"

**ذَنُوباً:** ایسا بڑا ڈول جس سے کنویں میں سے پانی نکالا جائے اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ کنوؤں اور کھالوں کا پانی ڈول سے تقسیم کرتے تھے۔ فراء معانی القرآن میں لکھتے ہیں:

**"والذنوب في كلام العرب: الدلوُ العظيمة ولكن العربَ تذهبُ بها إلى النَّصيب والحظِّ"**

پھر وہ لکھتے ہیں کہ اسکی تفسیر یوں ہو گی:

**"فإنَّ للذين ظلموا حظّاً من العذابِ"**

یعنی کلامِ عرب میں بڑے ڈول کو "ذنوب" کہتے ہیں پھر ذنوب (ڈول) کا اطلاق نصیب یعنی حصہ پر ہونے لگا۔ ابوعبیدہ اس کا معنی نصیب لکھتے ہیں۔ طبری کے ہاں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے ثعلبی لکھتے ہیں کہ:

**"وأصل الذنوب في اللغة: الدلو العظيمة المملوءة ماء، ثم يستعمل في الحظ والنصيب"**

"یعنی ثعلبی کے نزدیک پانی سے بھرے ہوئے بڑے ڈول کو "ذنوب" کہا جاتا ہے جس کا بعد میں حظ اور نصیب پر اطلاق ہونے لگا"

فراء، طبری اور ثعلبی ڈول کے ذریعے پانی کے تقسیم کے حوالہ سے راجز کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

**لَنا ذَنُوبٌ ولكم ذَنُوبٌ فإن أبيتُمْ فَلَنا الْقَلِيبُ**

(یعنی) ہمارے تمہارے درمیان پانی کی تقسیم) ایک ڈول تمہارا اور ایک ڈول ہمارا ہے۔ اگر تم یہ نہیں مانتے تو ساری کی ساری کھائی (یا کنواں) ہمارا ہے۔

ابوعبیدہ، طبری اور ثعلبی علقمۃ بن عبدۃ الفحل کے ذیل کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس میں حارث بن اَبی شمر الغسانی کی مدح کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قصیدہ میں جبلۃ بن الایہم یا عمرو بن حارث اعرج کی مدح کی گئی ہے۔

**وفي كُلِّ قومٍ قَـــــدْ خَبَطْتَ بِنِعْمَةٍ**
**فَحُقَّ لِشَأْسٍ مِنْ نَداكَ ذَنُوبٌ (طویل)**[70]

ابوعبیدہ نے مزید توضیح کیلئے فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب کے شعر سے بھی استدلال کیا ہے۔

**من يساجِلْني يساجِلْ ماجداً يملأ الدلوَ إلى عقد الكَرَبْ**

ثعلبی اَبی ذؤیب کے درج ذیل شعر سے بھی سند لیتے ہیں۔

**لَعُمرك والمنايا طارِقاتٌ لِكُلِّ بني أبٍ منهم ذَنُوبُ**[71]

ابن قتیبہ نے شرح الغریب میں اس پہلی مثال میں شعری شاہد پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں بھی "ذُنوب" کا معنی حظاً و نصیباً ہے۔ وہ لکھتے ہیں "**وأصل الذّنوب: الدّلو، وكانوا يستقون الماء، فيكون لهذا ذَنوبٌ ولهذا ذَنُوبٌ، فاستُعير في موضح النصيب**" ذیل کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

**إنّا إذا نازَعَنا شَريبُ لنا ذَنُوبٌ وله ذَنوبُ**

مذکورہ تمام شعری شواہد میں "ذنوب" بمعنی ڈول اور حصہ ہے۔ شرح الغریب کی مذکورہ مثالوں میں سے یہی ایک مثال ہے جس میں فراء نے لغوی استشہاد کیا ہے ورنہ وہ اکثر وبیشتر معانی القرآن میں نحوی استشہاد کرتے ہیں۔ اس آیت قرآنی کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان ظالموں کیلئے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی اللہ تعالی کے عذاب سے ویسا ہی حصہ ہے جیسا کہ ان کے ساتھیوں یا ہم مشربوں کا تھا جو گزشتہ امتوں میں اپنے رسولوں کی تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ لفظ "ذَنوب" کی وضاحت کی بابت چار اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔ فراء نے ایک شعر سے استشہاد کیا ہے جس میں لفظ ذنوبٌ دو مرتبہ لایا گیا ہے اوراس شعر میں ذنوب بمعنی ڈول استعمال ہوا ہے۔ اس شعر سے فراء کے تتبع میں طبری اور ثعلبی نے بھی اپنی تفاسیر میں استشہاد کیا ہے۔ دوسرا شعر علقمۃ بن عبدۃ الفحل کا ہے جس سے ابوعبیدہ، طبری اور ثعلبی نے استشہاد کیا ہے۔ اس شعر میں بھی ذنوب سے ان کی مراد ڈول حظ اور حصہ ہے۔ تیسرا شعر فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب کا ہے جس سے صرف ابوعبیدہ نے استشہاد کیا ہے اس شعر میں دَلْوٌ کا لفظ ذنوب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اَبی ذؤیب ہذلی کے آخری شعر سے صرف ثعلبی نے استدلال کیا ہے جس میں ذنوب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مذکورہ پانچوں استشہاد کرنے والے مفسرین کے ہاں ذنوب اور دلو کا معنی ڈول ہے جسے بعد میں حظ اور نصیب کے معنوں میں استعمال کیا گیا۔

"كَلَّا لَا وَزَرَ"[72]

"ممکن نہیں (کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں"

**وَزَرْ:** پناہ گاہ۔ **لا وَزَرْ** کے معنی ہیں **لا ملجأ** کوئی پناہ گاہ نہیں۔ یعنی آگ سے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ ہر وہ چیز جس کو پناہ کے طور پر استعمال کیا جائے چاہے وہ پہاڑ یا کوئی اور چیز ہو اُسے وَزَرْ کہتے ہیں۔ صرف ابوعبیدہ ہی مجاز القرآن میں ابن الذّئبۃ[73] کے شعر سے استدلال کرتے ہیں

**لَعَمرُک ماللفتی مِن وَزَر          من الموتِ یُنجیه والکِبَرُ**[74]

(شاعر کہتا ہے کہ تیری زندگی کی قسم نوجوان کو موت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی یعنی موت سے بچنے کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔)

قرآنی آیت کی مانند اس شعر میں بھی وَزَر بمعنی پناہ گاہ کے استعمال ہوا ہے۔ طبری اور ثعلبی نے لفظ "وزر" کی توضیح میں شعری شواہد تو پیش نہیں کیے البتہ ان دونوں کے ہاں اس کا مفہوم "لا حرز، ولا حصن، اور لا ملجأ" ہے۔ یعنی ابوعبیدہ کی مانند اس کا مفہوم پناہ گاہ ہے۔ ابن قتیبہ یہ آیت ہی نہیں لائے۔ فراء لکھتے ہیں کہ والوزر کے معنی الملجأ ہے۔ تاہم کسی شعر سے استشہاد نہیں کیا ہے۔

"فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ"[75]

"اور دوزخ میں پہنچ کر اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی"

**جِیدٌ:** گردن۔ جُیودٌ أجیاد جمع ہے۔ طبری اور ثعلبی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی "عنقھا" ہے یعنی گردن۔ دونوں مفسرین درج ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں۔ ذی الرُّمۃ کا شعر ہے۔

**فَعَیْناکِ عَیْناھا وَلَوْنُکِ لَوْنُھا          وَجِیدُکِ إلا أنّھا غیرُ عاطِلِ**

ثعلبی اعشی کے ذیل کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں

**وبیداء تحسب آرامھا          رجال أیاد بأجیادھا**[76]

ان دونوں اشعار میں جید او رأجیاد بمعنی گردن ہے اور یہی مفہوم قرآنی آیت کا ہے۔ اس مثال میں ثعلبی نے طبری سے استفادہ کیا ہے۔ ابن قتیبہ اور ابوعبیدہ نے اس لفظ کا مفہوم بیان نہیں کیا۔ فرا لکھتے ہیں کہ فی جیدھا کا معنی فی عنقھا ہے۔ لغوی تشریح کیلئے کسی شعر سے استدلال نہیں کیا۔

یہ نمونے کے طور پر چند مثالیں تھیں جن میں مفرداتِ قرآنیہ کی تشریحات کیلئے مذکورہ منتخب پانچ تفاسیر میں سے شعرائے عرب کے کلام سے شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اِس تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ فراء نے اپنی تفسیر معانی القرآن میں بہت کم لغوی شواہد پیش کیے ہیں جیسا کہ مذکورہ 23 مثالوں میں سے صرف ایک ہی مثال ہے جس میں فراء لغوی شاہد لائے ہیں کیونکہ فراء بنیادی طور پر نحوی ہیں اور انہوں نے معانی القرآن میں زیادہ تر صرفی و نحوی شواہد پیش کیے ہیں جبکہ ابوعبیدہ لغوی ہیں اور انہوں نے مجازالقرآن میں بہت زیادہ لغوی شواہد پیش کیے ہیں اس لیے لغوی شواہد کے اعتبار سے مجازالقرآن نمائندہ تفسیر ہے۔ بلکہ ابوعبیدہ نے لغوی تفسیر کو نیا رنگ دیا ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہوا ہے کہ طبری اور ثعلبی نے اکثر و بیشتر وہی شواہد شعریہ پیش کیے ہیں جو ابوعبیدہ مجاز القرآن میں لائے ہیں۔ جہاں تک طبری اور ثعلبی کا تعلق ہے تو ان تفاسیر میں مختلف مجالات الاستشہاد لائے گئے ہیں یعنی لغت، صرف و نحو، اسالیب کلام اور علمِ قراءت کے حوالہ سے شواہدِ شعریہ لائے گئے ہیں۔ تاویل مشکل القرآن جس میں بنیادی طور پر اسالیب القرآن سے بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ مثالوں میں سے صرف ایک مثال نمبر 20 میں ابن قتیبہ نے شعری شاہد پیش کیا ہے۔ البتہ بعض مثالوں میں بدون استشہاد الفاظ کے مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔

استشہاد بالشعر کے ذریعے مفاہیم قرآنیہ کے تعین میں سیاقِ کلام، نظائر، حدیث نبوی ﷺ، صحابہؓ، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال و تشریحات کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ صرف کلامِ عرب اور شخصی فہم کے نتیجے میں مفاہیم قرآنیہ کا تعین درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی بھی تواتر و تسلسل کے ساتھ محفوظ ہیں۔

### حواشی و حوالہ جات:

[1] الزرکشی، البرہان فی فی علوم القرآن 2/ 177، 185-186، (عربی شاعری کے ذریعے قرآنی مفہوم کے تعین کیلئے یہی مفہوم درج ذیل مصادر میں بھی موجود ہے (السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن 4/ 196، 209، القنوجی، أبجد العلوم 2/ 175

[2] ابن منظور، لسان العرب مادۃ "غرب"، چلپی حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2/ 1203

[3] چلپی حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2/ 1203۔

[4] الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن مادہ غرب۔

[5] جب کسی شعر سے دو ایسے الفاظ متصل آجاتے ہیں جن میں سے پہلے لفظ کا آخر وہی ہوتا ہے جو دوسرے لفظ کا حرف اوّل ہوتا ہے تو ان دونوں حرفوں کے ایک ساتھ تلفظ میں ایک قسم کا ثقل اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے عیب تنافر کہا جاتا ہے یہ عیب منافی فصاحت ہے۔ ڈاکٹر إمیل بدیع یعقوب لکھتے ہیں کہ "ھو عیب من عیوب القافیہ"، الدکتور إمیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل فی علم العروض والقافیہ وفنون الشعر ص 202، الدکتور إنعام فوال عکاوی، المعجم فی علوم البلاغہ ص 609

[6] حشو اس زائد لفظ کو کہتے ہیں جس کے حذف کرنے سے کلام میں حسن پیدا ہو جائے۔ یعنی ایسے لفظ کی شعر میں موجودگی معیوب ہوگی۔ الدکتور اِمیل بدیع یعقوب، **المعجم المفصل فی علم العروض والقافیہ وفنون الشعر** ص219، الدکتور اِنعام فوال عکاوی، المعجم فی علوم البلاغہ ص 543-541

[7] أی **الخروج عن القاعدة وتجاوز حدودها إلى نحو غير مألوف في مقاييس ذلك العلم أو تلك اللغة**، مشتاق عباس معن، المعجم المفصل فی فقہ اللغة ص103

[8] متروک الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو کسی زمانے میں اہل علم کی تحریروں میں استعمال ہوتے تھے مگر بعد میں علماء فصحاء نے انہیں غیر فصیح ٹھہرا کر ان کا استعمال ترک کر دیا، صدیقی ابوالاِعجاز حفیظ، کشاف تنقیدی اصطلاحات ص165

[9] الرافعی، تاریخ آداب العرب 712 /

[10] ابوحیان اندلسی، تحفۃ الأریب بمافی القرآن من الغریب، المکتب الاِسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ 1408ھ 1988م ص40،21

[11] الفاتحہ:5

[12] اموی دور کا معروف اسلامی شاعر ہے۔

[13] اس قصیدہ میں ہشام بن عبد الملک کی مدح کی گئی ہے۔ صدر البیت یہ ہے:

**أَلَمْتِ وما رَفَقْتِ بأن تلومی وقلت مقالة الخطِل الظَّلُومِ**

[14] اس شعر کی نسبت مختلف شعراء کی جانب کی گئی ہے تاہم یہ شعر دیوان میں موجود نہیں ہے) طبری نے بھی اِس شعر سے استدلال کیا ہے لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ شعر یوں آیا ہے:

**صَبَحْنا أرضَهُمْ بالخَيْلِ حَتَّى تَرَكناها أدَقَّ مِنَ الصِّراطِ**

یعنی ہم صبح صبح گھوڑوں پر ان کی سرزمین پر پہنچے یہاں تک کہ ہم نے انہیں زمین سے بھی پست تر کر دیا (ثعلبی بھی اس شعر سے استدلال کرتے ہیں لیکن تفسیر ثعلبی میں یہ شعر تھوڑے سے فرق کے ساتھ یوں آیا ہے۔

**حشونا أرضهُمْ بالخَيْلِ حَتَّى تَركناهُمْ أذَلَّ مِنَ الصِّراطِ**

یہاں صراط بمعنی واضح راستہ ہے۔ ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1 /25-24، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 102 / 1، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 46 / 1

[15] البقرہ 35:2

[16] اس شعر کی نسبت امرؤالقیس کی جانب کی گئی ہے لیکن دیوان میں یہ شعر قافیہ دال میں نہیں مل سکا، دیوان امرؤالقیس، تحقیق الأستاذ مصطفی عبدالشافی ص53-58

[17] ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1 /38، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 1 / 301، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 104 / 1

[18] البقرہ 205:2

[19] النجم 39:53

[20] بنی اسرائیل 19:17

[21] یہ شعر اعشیٰ کے اُس قصیدے میں سے لیا گیا ہے جو اُس نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کہا جس کا مطلع یہ ہے:

**رحلَتْ سمية غدوةً أجمالها غضبى عليكَ فما تقول بدا لها**

[22] الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 2 /1126، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 1 / 314

[23] البقرہ 282:2

[24] حم السجدۃ 38:41

[25] حم السجدة 49:41

[26] الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 3 / 1681، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 1 / 478، (زہیر بن ابی سلمیٰ کے شعر کی تخریج گزر چکی ہے (ابوعبیدہ، مجاز القرآن 83 / 1، ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن ص 254

[27] آل عمران 152:3

[28] ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1 / 105-104، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 2 / 167، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 2105-2107 / 3، الفراء، معانی القرآن 238 / 1

[29] النساء 143:4

[30] دیوان نابغہ ذبیانی ص 25

[31] الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 4 / 2752، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 378 / 2

[32] المائدہ 48:5

[33] راجز کا تعلق بنی العنبر بن عمرو بن تمیم سے ہے۔

[34] ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1 / 168، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 4 / 3094، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 2 / 462

[35] الاعراف 92:7

[36] دیوان لبید ص 99، لبید کے اس قصیدے کا مطلع یہ ہے: **قضيَ الأمورُ وَأنجزَ المَوْعُوْدُ واللهُ رَبِّ ماجِدٌ مَحْمُوْدُ**

دیوان عبید بن الأبرص (شرح اشرف احمد عدرۃ) ص 99 دیوان میں یہ شعر اِس طرح آیا ہے:

**وَلَقَدْ يَغْنَى بِهِ أصحابُكَ الْمُمْسِكُو امِنْكَ بِأسبابِ الوِصال**

[37] حاتم بن عبد اللہ بن سعد طائی جاہلی شاعر تھے اور سخاوت میں مشہور تھے۔ ابن قتیبہ، الشعر والشعراء ص 136-132

[38] دیوان حاتم طائی ص 51 اس قصیدے کا مطلع یہ ہے: **أماوي قد طال التجنبُ والهَجْرُ وقد عَذَرَتني من طِلابكُم، العَذْرُ**

دیوان میں شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح ہے: **كما الدهرُ، في أيّامِهِ الْعُسْرُ واليُسْرُ**

دراصل تفسیر ثعلبی میں حاتم طائی کے اس شعر کا دوسرا مصرعہ دیوان میں اس شعر سے اگلے شعر کا دوسرا مصرعہ ہے۔

[39] ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1 / 221، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 6 / 3815، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 3 / 52-

[40] التوبۃ 28:9

[41] اِس شعر کی کسی کی جانب نسبت نہیں کی گئی ہے تاہم جمہرۃ اشعار العرب میں اِس شعر کی نسبت ابو عمرو اُحیحۃ بن الجلاح بن الحریش الاَوسی (113 ق ھ) کی جانب کی گئی ہے جو کہ معروف جاہلی شاعر ہے۔ ابو زید قرشی، جمہرۃ اشعارالعرب ص 196، الزرکلی خیرالدین، الاعلام 1 / 277، ابوعبیدہ، مجازالقرآن 255 / 1، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 6 / 4232، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 3 / 184، تفسیر ثعلبی میں یہ شعر تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح آیا ہے: **فلا يدري الفقير متى غناه ولا يدري الغني متى يعيل**

[42] ہود 36:11

[43] اس شعر کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی گئی تاہم طبری نے اسکی نسبت لبید بن ربیعہ عامری کی طرف کی ہے۔ یہ طویل قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے: **أُنبئتُ أنَّ أباحِني فِ لامَني في اللّاءِ مِنِنا**

الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 7 / 4615-4614، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 319 / 3، الفراء، معانی القرآن 13 / 2

[44] ابراہیم 28:14

[45] ابن قیس بن عدی بن سعد بن سہم القرشی مخضرمی شعراء میں سے ہے۔ اس نے مسلمانوں کی ہجو کہی اور بعد ازاں یوم فتح کے موقعہ پر اسلام قبول کیا۔ عفیف عبد الرحمن، معجم الشعراء الجاہلین والمخضرمین ص 196 نمبر 291)

46 ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1/340، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 8/5110، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 3/367

47 ابراہیم 43:14

48 ابوعبیدہ، مجاز القرآن 1/343-342، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 276/8-275، الثعلبی ، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 3/473-472، الفراء، معانی القرآن 78-79/2

تفسیر طبری اور ثعلبی میں پہلے شعر میں "بمُهْطِعٍ" کی بجائے تھوڑے سے فرق کے ساتھ "وَبمُهْطِعٍ" ہے۔ اسی طرح تفسیر ثعلبی میں "من أوال مشذّب" کی بجائے "من أراک مشذب" ہے۔

49 بنی اسرائیل 50:17

50 اس شعر کے قائل کی بابت نہیں بتایا گیا ہے

51 اس شعر کے قائل کی بابت بھی نہیں بتایا گیا

52 دیوان ذوالرمۃ ص 244

53 دیوان العجاج ص 7

54 اس شعر کی بھی کسی جانب نسبت نہیں کی گئی ہے۔ ابوعبیدہ، مجاز القرآن 383/1-382، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 54/4، الفراء، معانی القرآن 125/2، تفسیر ثعلبی میں درج ذیل دو مصرعے یوں لائے گئے ہیں:

لمّا رأسني الغضت لي الرأسا أمسک بقضبا لابني مستهدجا

55 الحج 20:22

56 دیوان أحمر ص 68 اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے: قد بكرت عاذلتي بُكْرَةً تزعُم أني بالصبا مُشْتَهِرُ

ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2/48-47، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 6151/10، الفراء، معانی القرآن 220/2، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 291/4 تفسیر ثعلبی میں "فمايَنْصَهِر" کی بجائے "ولا يَنْصَهِر" آیا ہے۔

57 النور 43:24

58 الروم 48:30

59 عامر بن جوین بن عبد رضا بن قمران الطائی جاہلی شاعر ہے فارس کا رہنے والا تھا۔ معجم الشعراء 3/32، ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2/67، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 10/6423، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 43/5، الفراء، معانی القرآن 256/2

60 الفرقان 68:25

61 بلعاء بن قیس بن ربیعۃ بن عبد اللہ بن یعمر کنانہ بن خزیمۃ سے ہے

62 ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2/81، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 11/6526، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 432/4

63 الشعراء 184:26

64 اس شعر کی کسی کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ (ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2/91-90، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 11/6595، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 4/462، الفراء، معانی القرآن 283/2

65 یس 8:36

66 ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2/157، الثعلبی، الکشف والبیان فی تفسیر القرآن 190/5، ابن قتیبہ، تأویل مشکل القرآن ص 96، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 7186/12، الفراء، معانی القرآن 272-273/2

67 الشوری 32:42

68 دیوان خنساء شرح و تحقیق عبد السلام الحوفی ص 40 اس قصیدے کا مطلع یہ ہے:

قذیً بعینکِ أم بالعین عوّارُ أمْ ذرَفَتْ إذ خلَتْ من أهلِها الدارُ

الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 13 / 7623، الثعلبی، الشکف والبیان فی تفسیر القرآن 5 / 398، ابوعبیدہ، مجاز القرآن 200 / 2، ابن قتیبہ، الشعر والشعراء ص 200-202 (خنساء بنت تماضر مشہور مخضرمہ شاعرہ ہے۔

[69] الذاریات 59:51

[70] دیوان علقمہ تحقیق الدکتور حنّا نصر الجستی ص 31 اس قصیدے کا مطلع یہ ہے:

طحابک قلب فی الحسان طروبُ بعید الشباب عصر حان مَشِیبُ

(دیوان میں ''وفی کل قوم'' کی بجائے ''وفی کل حیّ'' آیا ہے)

[71] الفراء، معانی القرآن 3 / 90، ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2 / 229-228، مجاز القرآن میں پہلا شعر خَبَطْتَ بنعمۃٍ کی بجائے خبطت بنائلٍ ہے، الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 13 / 8041-8040، الثعلبی، الشکف والبیان فی تفسیر القرآن 5 / 572، ابن قتیبہ، تأویل مشکل القرآن ص 97

[72] القیامۃ 11:75

[73] ربیعہ بن عبد یالیل بن سالم الثقفی جاہلی شاعر ہے ذئبۃ اسکی ماں جبکہ عبد یالیل ابن سالم اس کا باپ ہے، الزرکلی خیر الدین، الاعلام 3 / 17

[74] ابوعبیدہ، مجاز القرآن 2 / 277، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن 8707-8709 / 14، الثعلبی، الشکف والبیان فی تفسیر القرآن 328 / 6

[75] اللھب 5:111

[76] الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 15 / 8896، الثعلبی، الشکف والبیان فی تفسیر القرآن 6 / 591